دارالعلوم دیوبند

بنیادی اصول اور مسلک

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند

ناشر
دفتر اجلاس صدسالہ دارالعلوم دیوبند، یوپی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

تمہید

تیرہویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی تھی، ہندوستان میں اسلامی
شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا، صرف اٹھتا ہوا دھواں رہ گیا تھا جو چراغ بجھ جانے
کا اعلان کر رہا تھا، دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا صرف ڈھول کی منادی
میں "ملک بادشاہ کا" رہ گیا تھا، اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبہ زوال تھے، دینی
علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو رہی تھیں، علمی خانوادوں
کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ ہو چکا تھا، دینی شعور رخصت ہو رہا تھا اور جہل
و ضلال مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا، مسلمانوں میں پیغمبری سنتوں کے بجائے
جاہلانہ رسوم و رواج، شرک و بدعت اور ہواپرستی وغیرہ زور پکڑتے جا رہے تھے،
مشرقی روشنی چھپتی جا رہی تھی، اور مغربی تہذیب و تمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا
تھا جس سے دہریت والحاد و فطرت پرستی اور بے قیدیٔ نفس، آزادیٔ فکر، اور
بے باکی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جس سے نگاہیں خیرہ ہو چکی تھیں، اسلام کی
جیتی جاگتی تصویر بیمار آنکھوں میں دھندلی نظر آنے لگی تھی اور اتنی دھندلی کہ اسلامی
خد و خال کا پہچاننا بھی مشکل ہو چکا تھا، چمن اسلام میں خزاں کا دور دورہ تھا،
خوش آواز و شیریں ادا پرندوں کے زمزمے مدھم ہوتے جا رہے تھے، اور ان کی جگہ

زاغ و زغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی، یہ اور اسی قسم کے اور ہزارہا حوادث
اور المناک واقعات کے چند اجمالی عنوانات ہیں جن سے اسوقت کے ہندوستان
کی مسموم فضا کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں ہے۔ ؎

اندکے با تو بگفتیم و بدل ترسیدیم — کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ان حالات سے یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کا چمن اب اجڑا، اور یہ کہ اب ہندوستان
بھی اسپین کی تاریخ دہرانے کیلئے کمربستہ ہو چکا ہے کہ اچانک چند نفوس
قدسیہ نے بالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی، یہ
خلش علوم نبوت کے تحفظ، دین کو بچانے اور اس کے راستے سے ستم رسیدہ مسلمانوں
کو بچانے کی تھی، وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارے میں
اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا جو اس پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی
صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعے مسلمانان ہند کی حفاظت کی
جائے، اور تعلیم و تربیت کے راستے سے ان کے دل و دماغ کی تعمیر کر کے ان
کی بقا کا سامان کیا جائے اور اس کی واحد صورت یہی ہے کہ ایک درس گاہ قائم
کی جائے، جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں اور انہی کے مطابق مسلمانوں کی
دینی، معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں میں ڈھالی جائے، جس سے ایک
طرف تو مسلمانوں کی داخلی رہنمائی ہو، اور دوسری طرف خارجی مدافعت، نیز مسلمانوں
میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایماندارانہ سیاسی شعور بھی بیدار ہو۔ ان
مقاصد کے لئے کمر باندھ کر اٹھنے والے یہ لوگ رسمی قسم کے رہنما اور لیڈر نہ تھے، بلکہ خدا

رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے، اور ان کی یہ باہمی گفت و شنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلۂ خیال نہ تھا جیسا کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم سادس دار العلوم دیوبند سے سنا کہ وقت کے ان تمام اولیاء اللہ کے قلوب پر بیک وقت یہ واضح ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی واحد صورت قیام مدرسہ ہے، چنانچہ اس مجلس مذاکرہ میں کسی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حفظ دین و مسلمین کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جائے، کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو، کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ کا قیام ضروری ہے، کسی نے بہت صریح لفظوں میں کہا کہ منجانب اللہ محسوس ہوا کہ اِن حالات میں تعلیم دین کا ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے، اِن اہل اللہ کا اس تبادلۂ واردات کے بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا ایک مرکب اجماع تھا جو قیام مدرسہ کے بارے میں منجانب اللہ واقع ہوا۔

اس سے جہاں یہ واضح ہوا کہ اس وقت کے ہندوستان میں قیام مدرسہ کی تجویز کوئی رسمی تجویز نہ تھی بلکہ منجانب اللہ تھی، وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تجویز کے پردے میں اسلامی علوم و فنون کی تعلیم، اور اسلامی نسلوں کی دینی اخلاقی، اجتماعی اور روحانی تربیت کا مسئلہ درپیش تھا، اور ملک گیر اصلاح کی روح چھپی ہوئی تھی جو محض مقامی یا ہنگامی نہ تھی، کیونکہ اسلامی شوکت ختم ہو جانے کا اثر بھی مقامی نہ تھا جس کے تدارک کی فکر تھی وہ پورے ملک پر پڑ رہا تھا، اس لئے اس کے دفعیہ کی یہ ایمانی رنگ کی تحریک بھی مقامی انداز کی نہ تھی بلکہ اس میں عالمگیریت

پنہاں تھی، گو ابتداء میں اس کی شکل ایک چھوٹے سے تخم کی سی تھی، مگر اس وقت اس میں ایک تناور شجرۂ طیبہ لپٹا ہوا تھا جس کی جڑیں سچے قلوب کی زمین میں پھیلی ہوئی تھیں، اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں، اس سلسلے میں ان نفوسِ قدسیہ کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھا اور اسے ایک تجویز کی صورت دی، حضرت اقدس نے بانیٔ اعظم دار العلوم کی حیثیت سے اسلامی زندگی کے لئے جس آفاقی روح سے کام لیا تھا اس کی برکت سے ملک کے مختلف حصوں میں جامعہ قاسمیہ، قاسم العلوم، مدرسہ قاسمیہ کے نام سے، مدارس و مکاتب کا عظیم سلسلہ شروع ہو گیا، اور ایک ایسی مقدس علمی برادری قائم ہو گئی جس کے ہزاروں افراد اپنے نام کے ساتھ قاسمی لکھنا باعثِ برکت سمجھتے ہیں، اور یہ افراد ہر براعظم میں پائے جاتے ہیں،

بنائے دار العلوم

کچھ وقت گذرنے کے بعد یہ مبارک تجویز عملی صورت میں نمودار ہوئی، اور ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو دار العلوم کی بناء رکھ دی گئی، بناء رکھنے کی تفصیلات سوانح قاسمی میں ملیں گی، اس بناء میں خصوصیت سے حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب قدس سرہ، حضرت مولانا ذو الفقار علی صاحب قدس سرہ، اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ قابل ذکر ہیں، جن کا ہاتھ ابتداء ہی سے تاسیس مدرسہ میں تھا، یہ حضرات خصوصیت سے بانیٔ اعظم حضرت

نانوتوی قدس سرہ کے دست و بازو رہے ہیں، اور بنارِ مدرسہ کے بعد بھی اس کی ذمہ دار
مجلس کے رکن رکین کی حیثیت سے مدرسہ کے تمام امور میں عملاً شریک رہے ہیں، بعد
میں حضرت اقدس مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس خیر کے
رکن رکین ہوئے، اور بالآخر حضرت نانوتویؒ کے ارشاد و ایما پر دار العلوم کے عہدۂ
اہتمام پر فائز ہوئے، اور آپ کا عہدِ اہتمام خیر و برکت کا سرچشمہ ثابت ہوا، دار العلوم
کی معنوی بنار کے لئے تو حضرت نانوتوی قدس سرہ نے آٹھ اصول تحریر فرمائے،
جو اس ادارے میں تمام قوانین کے لئے اساس و بنیاد کا درجہ رکھتے ہیں، اور
حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ اصول عملی تحریر فرمائے
جو اس ادارے کے نظم و انتظام کی اساس و بنیاد ہیں دونوں بزرگوں کے اصول
ہشتگانہ درج ذیل ہیں جو اس دار العلوم کی حکمت عملی اور نظم و انتظام کی اساس
ہیں۔

۸ بنیادی اصول

(۱) اصول اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنانِ مدرسہ کی ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے
آپ کوشش کریں، اوروں سے کرائیں خیر اندیشانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ
رہے۔

(۲) ابقار طعام طلبہ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ
مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳) مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی
ہو، اپنی بات کی پیچ نہ کی جائے، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ
اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے، اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو
پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائیگا۔ القصہ تہِ دل سے ہر وقت مشورہ
اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبیٔ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو، اور
اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں،
اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں، یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات
سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل و جان قبول کریں گے
اور نیز اسی وجہ سے یہ ضرور ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ
کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد و صادر جو علم و
عقل رکھتا ہو، اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور نیز اسی وجہ سے ضرور ہے کہ اگر اتفاقاً کسی
وجہ سے مشورہ کی نوبت نہ آوے اور بقدرِ ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتدبہ سے
مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھ سے کیوں نہ پوچھا، ہاں
اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہو سکتا ہے۔

(۴) یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں
اور مثل علمائے روزگار خود بین اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں، خدا
نخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵) خواندگی مقررہ اسی انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے، یا بعد میں کوئی

اور انداز مشورہ سے تجویز ہو، پوری ہو جایا کرے، ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد
نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک
یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی
حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں
نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا، اور
امداد غیبی موقوف ہو جائے گی، اور کارکنان میں باہم نزاع پیدا ہو جائیگا، القصہ
آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی رہے۔

(۷) سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے
چندے سے امیدِ ناموری نہ ہو، بالجملہ حسنِ نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا
سامان معلوم ہوتا ہے۔

۸ انتظامی اصول

(۱) ہر کارخانہ کے امور جزئیہ کی بنا ایک شخص کی رائے پر مبنی چاہیے، اسی
قاعدہ پر اس کارخانے کے امور جزئیہ کے انجام میں کسی صاحب کو اہل مشورہ میں سے
دخل نہ ہو الا مشورہ اور رائے، کہ وہ اپنے موقع پر اظہار فرمادیں، جیسا اہل شوریٰ ملکر
پسند کریں۔

(۲) امور جزئیہ میں جو کوئی صاحب بندہ کے مددگار ہوں گے یا اچھا مشورہ
دیں گے، بندہ ان کا مشکور ہوگا، مگر انجام ان کا موقوف بندہ ہی کی رائے پر رہنا چاہیے،

(۳) جس کسی صاحب کو، خواہ اہل شوریٰ خواہ اور عام خلق، کوئی امر قابل
اعتراض معلوم ہو تو، مہتمم سے مزاحمت نہیں جلسۂ شوریٰ میں پیش کر کے اس کو طے
کرالیں اور جیسا قرار پائے اس کے انجام پر مہتمم کو عذر نہ ہوگا۔

(۴) مشورہ کے جلسے جب کبھی ہوں بے حاضری مہتمم نہ ہوں گے، اگرچہ
اس کی ہی بات پر خوردہ ہو، اور یوں اہل شوریٰ کو اختیار اعتراض کا ہر وقت ہے اور
مہتمم کو موقع جواب کا۔

(۵) مہتمم اگر اہل شوریٰ کے اجتماع تلک کسی امر ضروری کے انجام پر انتظار نہ
کر سکے تو بذریعہ خط سب صاحبوں کو اطلاع دے گا، اور اس ضروری امر کو سب
صاحبوں کو قبول کرنا ہوگا۔

(۶) آمدنی مدرسہ کی مہتمم کے ہاتھ میں رہے گی، کیونکہ صرف ضروریہ کے لئے
کسی قدر روپیہ مہتمم کے ہاتھ میں رہنا ضروری ہے، حاجت ضروری سے زیادہ روپیہ
جب جمع ہو جایا کرے گا تو خزانچی کے پاس جمع کر دیا جائیگا۔

(۷) ہر روز وقت مقررۂ مدرسہ پر مہتمم مدرسہ میں جایا کرے گا، اور اسی وقت
میں امور متعلقۂ مدرسہ کو انجام دیا کرے گا۔

(۸) مناسب ہے کہ سب اہل شوریٰ مل کر اپنے دستخط اس مفروضہ پر
فرمادیں کہ مہتمم کو جائے سند رہے۔

دارالعلوم کی تاسیس اور پیشین گوئیاں

دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں، ایک انار کا درخت ہے، اسی درخت کے نیچے سے آبِ حیات کا یہ چشمہ پھوٹا اور اسی چشمے نے ایک طرف تو دین کے چمن کی آبیاری شروع کردی اور دوسری طرف اس کی تیز و تند رَو نے شرک و بدعت، فطرت پرستی، الحاد و دہریت، اور آزادیٔ فکر کے اُن خس و خاشاک کو بھی بہانا اور راستہ سے ہٹانا شروع کردیا جنہوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انھیں یہ روز بد دکھایا تھا، بانیٔ دارالعلوم کا یہ خواب کہ "میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھوں اور پیروں کی دسوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں اور اطراف عالم میں پھیل رہی ہیں" پورا ہوا، اور مشرق و مغرب میں علوم نبوت کے چشمے جاری ہونے کی راہ ہموار ہوگئی، دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کا یہ خواب کہ "علوم دینیہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں دیدی گئی ہیں"، خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہوگیا۔

اور اس مدرسہ کے ذریعے ان چابیوں نے ان قلوب کے تالے کھول دیئے جو علم کا ظرف تھے یا ظرف بننے والے تھے جن سے علم کے سوتے ہر طرف سے پھوٹنے لگے اور چند نفوسِ قدسیہ کا علم آن کی آن میں ہزارہا علماء کا علم ہوگیا۔

حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی دیوبند سے گذرتے ہوئے جب اس مقام پر

پہنچے تھے جہاں دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے تو فرمایا تھا کہ "مجھے اس جگہ سے علم کی بو آتی ہے"۔ پس وہ خوشبو جس کو سید صاحبؒ کی روحانی قوتِ شامہ نے سونگھا تھا ایک سدا بہار گلاب کا پھول بلکہ گلاب آفریں درخت کی شکل میں آگئی جس سے ہزاروں پھول کھلے اور ہندوستان کا اجڑا ہوا چمن تختۂ گلاب بن گیا، کسے معلوم تھا کہ یہ خوشبو بیج بنے گی، بیج سے کلی کھلے گی، شگفتہ کلی سے پھول بنے گی، پھول سے گلدستہ بنے گی، اور اس گلدستے کی خوشبو سے سارا عالمِ انسانی مہک اٹھے گا، اور کسے پتہ تھا کہ ایشیاء کی فضاء میں مغربی استعماریت کے جو جراثیم پھیلے ہوئے ہیں وہ اس کی جراثیم کش مہک سے آپ ہی اپنی موت مرنے شروع ہوجائیں گے، چنانچہ اس وقت کے برطانوی ہند میں فاتح قوم (انگریز) کو فکر تھی کہ ہندوستان کے دل و دماغ کو یورپین سانچے میں کسطرح سے ڈھالا جائے، جس سے برطانویت اس ملک میں جڑ پکڑ سکے ظاہر ہے کہ دل و دماغ کے بدل دینے کا واحد ذریعہ تعلیم ہو سکتی تھی، جس نے ہمیشہ ان سانچوں میں دلوں اور دماغوں کو ڈھالا ہے جن کو لے کر تعلیم آگے آتی ہے، اس لئے ہندوستان کو فرنگی رنگ میں ڈھالنے کے لئے لارڈ میکالے نے تعلیم کی اسکیم پیش کی اور وہ اسکولی اور کالجی تعلیم کا نقشہ لے کر یوروپ سے ہندوستان پہنچا، اور یہ نعرہ بلند کیا کہ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں، اور دل و دماغ کے لحاظ سے انگلستانی ہوں" یقیناً یہ آوازہ جب کہ ایک فاتح اور برسر اقتدار قوم کی طرف سے اٹھا اور تھا بھی وہ

تعلیم کا ۔ جو بذات خود ایک انقلاب آفریں حربہ ہے تو اس نے ملک پر ذہنی انقلاب کا خاطر خواہ اثر ڈالا، اس تعلیم سے ایسی نسلیں ابھرنی شروع ہوگئیں، جو اپنے گوشت پوست کے لحاظ سے یقیناً ہندوستانی تھیں لیکن اپنے طرز فکر اور سوچنے کے ڈھنگ کے اعتبار سے انگریزی جامہ میں نمایاں ہونے لگیں، اسی ذہنی مگر خطرناک انقلاب کو دیکھ کر بانیٔ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے دارالعلوم قائم کر کے اپنے عمل سے یہ نعرہ بلند کیا کہ ـــــ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے جو کچھ بھی ہوں دل و دماغ کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور زندہ ہو" اس کا ثمرہ یہ نکلا کہ مغربیت کے ہمہ گیر اثرات پر بریک لگ گیا اور بات یکطرفہ نہ رہی بلکہ ایک طرف مغربیت شعار افراد نے جنم لینا شروع کر دیا تو دوسری طرف مشرقیت نواز اور اسلامیت طراز جتھہ بھی برابر کے درجہ میں سامنے آنا شروع ہوگیا جس سے یہ خطرہ باقی نہ رہا کہ مغربی سیلاب سارے خشک و تر کو بہالے جائیگا بلکہ اگر اس کی رَو کا ریلا بہاؤ پر آئیگا تو ایسے بند بھی باندھ دیئے گئے ہیں جو اُسے آزادی سے آگے نہ بڑھنے دیں گے، بہرحال وہ ساعتِ محمود آگئی کہ مدرسہ کا آغاز ہوا، اور اس کی تعمیر و دفاع کی ملی جلی تعلیم عملاً ساحتِ وجود پر آگئی، ملا محمود دیوبندیؒ نے دجو حضرت بانیٔ دارالعلوم کے امر پر مدرسہ دیوبند کا یہ تعلیمی منصوبہ جاری کرنے کے لئے بحیثیت مدرس میرٹھ سے دیوبند تشریف لائے، اپنے سامنے ایک شاگرد کو دکہ ان کا نام بھی محمود ہی تھا اور آخر کار شیخ الہند مولانا محمود حسن کے لقب سے دنیا میں مشہور

ہوئے) بٹھا کر کسی عمارت میں نہیں جو مدرسہ کے نام بنائی گئی ہو بلکہ چھتہ کی مسجد کے کھلے صحن میں ایک انار کے درخت کے سایہ میں بیٹھ کر اس مشہور عالم درسگاہ دیوبند کا افتتاح کر دیا، نہ کوئی مظاہرہ تھا، نہ شہرت پسندی کا رو کار اور جذبہ، نہ نام و نمود کی تڑپ تھی، اور نہ پوسٹر و اشتہارات کی بھرمار، بس ایک شاگرد اور ایک استاد، شاگرد بھی محمود اور استاد بھی محمود، دو نفر سے یہ لاکھوں کے ایمانوں کی حفاظت کی اسکیم معرض وجود میں آگئی، سادگی اور ندرت ایمان کا دور دورہ شروع ہوگیا، جو سنّت نبوی اور اتباع سلف کی روح ہے، مقصد نہ ترفہ تھا اور نہ تنعم، نہ تعیش، نہ تزئین، نہ تفاخر، نہ تکاثر بلکہ صرف "ما انا علیہ الیوم واصحابی" کا مرقع بنانا اور "علیکم بسنتی الخ" و "واتبع سبیل من اناب الیّ" کی سیدھی راہ کی عملی تصویر کھینچنی تھی۔

دارالعلوم کا سلسلۂ سند و اسناد

دارالعلوم کا سلسلۂ سند حضرت الامام شاہ ولی اللہ صاحب فاروقی قدس سرّہ العزیز سے گذرتا ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے، شاہ صاحب اس جماعت دیوبند کے مورث اعلیٰ ہیں جن کے مکتب فکر سے اس جماعت کی تشکیل ہوئی، حضرت ممدوح نے اولاً اس وقت کے ہندوستان کے فلسفیانہ مزاج کو اچھی طرح پرکھا، پھر علوم شریعت کو ایک مخصوص جامع عقل و نقل طرز میں پیش فرمایا، جس میں نقل کو عقل کے جامہ میں ملبوس کر کے نمایاں کرنے کا ایک خاص حکیمانہ

انداز پنہاں تھا، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ
بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے ولی اللہی سلسلہ کے تلمذ سے اس رنگ کو نہ صرف اپنایا
جو انھیں ولی اللہی خاندان سے ورثہ میں ملا تھا بلکہ مزید تنوّر کے ساتھ اس کے نقش
ونگار میں اور رنگ بھرا، اور وہی منقولات جو حکمت ولی اللہی میں معقولات کے
لباس میں جلوہ گر تھے، حکمتِ قاسمیہ میں محسوسات کے لباس میں جلوہ گر ہوگئے،
پھر آپ کے سہل ممتنع انداز بیان نے دین کی انتہائی گہری حقیقتوں کو جو بلاشبہ
علم لدنی کے خزانہ سے ان پر بالہام غیب منکشف ہوئیں، استدلالی اور لمیاتی
رنگ میں آج کی خوگر محسوس یا حس پرست دنیا کے سامنے پیش کر دیا، اور ساتھ
ہی اس خاص مکتب فکر کو جو ایک خاص طبقہ کا سرمایہ اور خاص حلقہ تک محدود
تھا، دارالعلوم دیوبند جیسے ہمہ گیر ادارہ کے ذریعہ ساری اسلامی دنیا میں پھیلا
دیا، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ولی اللہی مکتب فکر کے تحت دیوبندیت درحقیقت
"قاسمیت" یا قاسمی طرز فکر کا نام ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے وصال کے بعد اس
دارالعلوم کے سرپرست ثانی قطب ارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
قدس سرہ نے قاسمی طرز فکر کے ساتھ دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا،
جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروع فقہیہ اور جزئیاتی تربیت کا قوام بھی
پیدا ہوا، اور اس طرح فقہ اور فقہائے کے سرمایہ کا بھی اس میراث میں اضافہ ہوگیا،
ان دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد دارالعلوم کے اولین صدر مدرس

جامع العلوم اور شاہ عبدالعزیز ثانی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ
نے جو حضرت بانیٔ دارالعلوم سے سلسلۂ تلمذ بھی رکھتے تھے دارالعلوم کی تعلیمات
میں عاشقانہ اور والہانہ اور مجذوبانہ جذبات کا رنگ بھرا، جس سے صہبائے
دیانت سہ آتشہ ہوگئی۔

آپ کے وصال کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ثالث حضرت
مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند جو حضرت
بانیٔ دارالعلوم قدس سرہ کے تلمیذ خاص بلکہ علم و عمل میں نمونۂ خاص تھے، ان
تمام علوم کے محافظ ہوئے، اور انھوں نے چالیس سال دارالعلوم کی صدارت
تدریس کی لائن سے علوم و فنون کو تمام منطقہ ہائے اسلامی میں پھیلایا، اور ہزارہا
تشنگانِ علوم ان کے دریائے علم سے سیراب ہوکر اطراف عالم میں پھیل گئے، اس
لحاظ سے یوں سمجھنا چاہیئے کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ جماعت دارالعلوم کے
جد امجد ہیں، حضرت نانوتوی قدس سرہ جدّ قریب، حضرت گنگوہی اور حضرت
مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہما اخ الجد، اور حضرت شیخ الہند
بمنزلۂ پدر بزرگوار ہیں، حضرت شیخ الہند نے اس عالمگیر علمی فیضان کے
ساتھ ہندوستان کی آزادی، اسلامی دنیا کی آزادی، اور دنیا بھر کے غلاموں
کی آزادی کے لئے عظیم قائد کی حیثیت سے کام ہی نہیں کارنامے انجام دیئے
ہیں، جن کا اجر اللہ ہی دے سکتا ہے۔

دارالعلوم کا مسلک

علمی حیثیت سے یہ ولی اللّٰہی جماعت مسلکاً اہل السنّت والجماعت
ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت اور اجماع وقیاس پر قائم ہے، اسکے نزدیک
تمام مسائل میں اوّلین درجہ نقل وروایت اور آثار سلف کو حاصل ہے،
جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، اس کے یہاں کتاب وسنت
کی مرادات، اقوال سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں محدود رہ
کر محض قوت مطالعہ سے نہیں بلکہ اساتذہ اور شیوخ کی صحبت وملازمت
اور تعلیم وتربیت ہی سے متعین ہو سکتی ہیں، اسی کے ساتھ عقل ودرایت اور
تفقہ فی الدین بھی ان کے نزدیک فہم کتاب وسنت کا ایک بڑا جز ہے، وہ
روایات کے مجموعہ سے حنفی فقہ کی روشنی میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی
غرض وغایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتا ہے،
اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتا ہے کہ وہ ایک
ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع بین الروایات اور تعارف کے
وقت تطبیق احادیث اس کا خاص اصول ہے جس کا منشا یہ ہے کہ وہ کسی
ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کر دینا نہیں چاہتا جب تک
کہ وہ قابل استدلال ہو، اسی بنا پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں
تعارض اور اختلاف نہیں محسوس ہوتا بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف

سے مبرّا رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے علمی و
عملی پھول اپنے اپنے موقعہ پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں، اسی کے ساتھ بطریق اہلِ
سلوک جو رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے بیزار اور بری ہے،
تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے، اس نے
اپنے منتسبین کو علم کی رفعتوں سے نوازا، اور عبدیت وتواضع جیسے انسانی اخلاق
سے بھی مزین کیا اور اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، استغنار،
(علمی حیثیت سے) اور غنار نفس (اخلاقی حیثیت سے) کی بلندیوں پر فائز ہوئے
وہیں فروتنی، خاکساری، اور ایثار وزہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور
ہوئے، نہ رعونت اور کبر ونخوت کا شکار ہوئے، اور نہ ذلتِ نفس اور مسکنت میں
گرفتار، وہ جہاں علم واخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے
لگے، وہیں عجز ونیاز، تواضع وفروتنی، اور خاکساری کے جوہروں سے مزین ہو کر
عوام میں ملے جلے اور "کاحدٍ من الناس" بھی رہے، جہاں مجاہدہ ومراقبہ سے
خلوت پسند ہوئے وہیں مجاہدانہ اور غازیانہ اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات
سے جلوہ آرا بھی ثابت ہوئے، غرض علم واخلاق، خلوت وجلوت اور مجاہدہ وجہاد
کے مخلوط جذبات ودواعی سے ہر دائرۂ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان
کے مسلک کی امتیازی شان بن گئی، جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے
اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے، اسی لئے ان کے یہاں محدث ہونے کے معنیٰ
فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنیٰ محدث سے بیزار ہو جانے یا نسبت احسانی کے

حاصل ہونے کے، معنی متکلم دشمنی یا علم کلام کی حذاقت کے معنی تصوف بیزاری
کے نہیں، بلکہ اس کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ
بدرجہ بیک وقت محدث، فقیہ، مفسر، مفتی، متکلم، صوفی، اور حکیم و مربی
ثابت ہوا، جس میں زہد و قناعت کے ساتھ عدم تقشف، حیاء وانکسار کے
ساتھ عدم مداہنت، رافت و رحمت کیساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر، قلبی
یکسوئی کے ساتھ قومی خدمت، اور خلوت در انجمن کے ملے جلے جذبات راسخ
ہوگئے، ادھر علم و فن اور تمام ارباب علوم و فنون کے بارے میں اعتدال
پسندی اور حقوق شناسی نیز ادائیگی حقوق کے جذبات ان میں بطور جوہر
نفس پیوست ہوگئے، بنا بریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل و کمال
اور راسخین فی العلم خواہ وہ محدثین ہوں، یا فقہاء، صوفیاء ہوں یا عرفاء، متکلمین
ہوں یا اصولیین، امراء اسلام ہوں یا خلفاء اس کے نزدیک سب واجب الاحترام
اور واجب العقیدہ ہیں، اس لئے جذباتی رنگ سے کسی طبقہ کو بڑھانا اور کسی کو
گرانا، یا مدح وذم میں حدود شرعیہ سے بے پرواہ ہوجانا اس کا مسلک نہیں۔

خدمات

سائبیریا سے لے کر سماٹرا تک

اس جامع طریق سے دار العلوم نے اپنی علمی خدمات سے (شمال میں)
سائبیریا سے لے کر (جنوب میں)، سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر

مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلادی، جس سے
پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں، دوسری طرف سیاسی خدمات
سے بھی اس کے فضلاء نے کسی وقت بھی پہلوتہی نہیں کی حتیٰ کہ ۱۸۰۳ء سے
۱۹۴۷ء تک اس جماعت کے افراد اپنے اپنے رنگ میں بڑی سے بڑی قربانیاں
پیش کیں جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، کسی وقت بھی ان بزرگوں کی
سیاسی اور مجاہدانہ خدمات پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا، بالخصوص تیرہویں صدی
ہجری کے نصف آخر میں مغلیہ حکومت کے زوال کی ساعتوں میں خصوصیت
سے حضرت شیخ المشائخ مولانا حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کی
سرپرستی میں ان کے دو مریدان خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور
حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ اور منتسبین اور متوسلین کی مساعی انقلاب،
جہادی اقدامات اور حریت و استقلال ملی کی فداکارانہ جدوجہد اور گرفتاریوں
کے وارنٹ پر ان کی قید و بند وغیرہ وہ سب تاریخی حقائق ہیں جو نہ جھٹلائی
جاسکتی ہیں نہ بھلائی جاسکتی ہیں، جو لوگ ان حالات پر محض اس لئے پردہ
ڈالنا چاہتے ہیں کہ وہ خود اس راہ سرفروشی میں قبول نہیں کئے گئے تو اس سے
خود انہی کی نامقبولیت میں اضافہ ہوگا، اس بارے میں ہندوستان کی تاریخ
سے باخبر اور ارباب تحقیق کے نزدیک ایسی تحریریں خواہ وہ کسی دیوبندی
النسبت کی ہوں یا غیر دیوبندی کی، جن سے ان بزرگوں کی ان جہادی خدمات
کی نفی ہوتی ہو لایعبأ بہ اور قطعاً ناقابل التفات ہیں، اگر حسن ظن سے کام

لیا جائے تو ان تحریرات کی زیادہ سے زیادہ توجیہہ صرف یہ کی جا سکتی ہے کہ ایسی تحریریں وقت کے مرعوب کن عوامل کے نتیجے میں محض ذاتی حد تک خوف واحتیاط کا مظاہرہ ہے، ورنہ تاریخی اور واقعاتی شواہد کے پیش نظر نہ ان کی کوئی اہمیت ہے اور نہ وہ قابل التفات ہیں، ان خدمات کا سلسلہ مسلسل، آگے تک بھی چلا اور انہی متوارث جذبات کے ساتھ ان بزرگوں کے اخلافِ رشید بھی سرفروشانہ انداز سے قومی اور ملی خدمات کے سلسلے میں آگے آتے رہے، خواہ وہ تحریک خلافت ہو، یا استخلاص وطن، اور بروقت انقلابی اقدامات میں اپنے منصب کے عین مطابق حصہ لیا، مختصر یہ کہ علم واخلاق کی جامعیت اس جماعت کا طرۂ امتیاز رہا، اور وسعتِ نظری، روشن ضمیری، اور رواداری کے ساتھ دین وملت اور قوم و وطن کی خدمت اس کا مخصوص شعار، لیکن ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت میں مسئلہ تعلیم کو حاصل رہی ہے، جب کہ یہ تمام شعبے علم ہی کی روشنی میں صحیح طریق پر بروئے کار آسکتے تھے، اور اسی پہلو کو اس میں نمایاں رکھا، اس لئے اس مسلک کی جامعیت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جامع علم ومعرفت، جامع عقل وعشق، جامع عمل واخلاق، جامع مجاہدہ وجہاد، جامع دیانت وسیاست، جامع روایت ودرایت، جامع خلوت وجلوت، جامع عبادت ومدنیت، جامع حکم وحکمت ہے۔